Part-1

27-11-2017

تحفظِ ناموسِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سنّتِ الٰہیہ ہے

مفتی منیب الرحمٰن

رحمۃ للعالمین خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سراپا امتیاز ہے، آپ کی ذات مبارک اور اسوۂ حسنہ کا ہر زاویہ اور ہر عنوان اپنے اپنے شعبے میں رفعت وعظمت اور کمالات کے انتہائی اعلیٰ درجے کا حامل ہے اور مخلوق میں کسی کی بھی ان عظمتوں تک رسائی نہیں ہے۔ یہی امتیازی جہت آپ کے دونوں اسمائے مبارکہ احمد ومحمد سے بھی عیاں ہے، کیونکہ احمد کے معنی (اللہ کی) سب سے زیادہ تعریف کرنے والا اور محمد کے معنی جس کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو۔ کسی کا وصف بطریقِ کمال وہی بیان کرسکتا ہے، جو اس کی رفعتوں اور حقیقتوں سے آشنا ہو اور ذاتِ مصطفیٰ کے بارے میں یہ مقام خالقِ کائنات کا ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں یہ مقام سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے، غالب نے کہا ہے:

غالبِ ثناء خواجہ بہ یزداں گزاشتیم　　　کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

ترجمہ: ''میں نے تاجدارِ کائنات ﷺ کی مدح وثنا اللہ تعالیٰ کی ذات پر چھوڑ دی ہے، کیونکہ وہی اُن کے مقام کو کماحقہٗ جاننے والا ہے''۔ یہاں میں مقامِ مصطفیٰ ﷺ کے ایک خاص پہلو کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں: عام دستور اور شِعار یہ ہے کہ جس پر الزام لگایا جائے یا جس پر طعن کیا جائے، وہ خود اپنی صفائی پیش کرتا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ کی امتیازی شان یہ ہے کہ دشمنانِ رسالت کی طرف سے الزام سیدنا مصطفیٰ ﷺ پر لگتا ہے اور صفائی ربِ مصطفیٰ بیان فرماتا ہے، اس کی چند مثالیں یہ ہیں:

(۱)　جب رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے حضرت قاسم کا انتقال ہوا تو العاص بن وائل اور دیگر سرکردہ مشرکینِ مکہ نے آپ ﷺ پر ''اَبتَر'' یعنی نسل کا سلسلہ منقطع ہونے کا طعن کیا کہ آپ کا ذکر آپ کے بعد جاری نہیں رہے گا، اس کا سبب کفار کا یہ زعم تھا کہ جب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ دنیا سے وصال فرمالیں گے، تو کوئی اولادِ نرینہ نہ ہونے کے سبب آپ کا ذکر منقطع ہوجائے گا۔ اہلِ عرب کا خیال تھا کہ جس کی نسل چلتی رہے، اس کا ذکر باقی رہتا ہے، ورنہ وقت گزرنے کے ساتھ نام مٹ جاتا ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے ان طعن کرنے والوں کو جواب دیا: ''(اے حبیب کریم! آپ کا ذکر تو ہمیشہ شان وشوکت سے جاری رہے گا، ہاں!) بے شک آپ کے دشمن کا ذکر منقطع ہوجائے گا، (کوثر:03)''، مزید فرمایا: ''ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کردیا، (انشراح:02)''، امام احمد رضا قادری نے کہا ہے:

مٹ گئے، مٹ جاتے ہیں، مٹ جائیں گے اَعداء تیرے　　　نہ مٹا ہے، نہ مٹے گا، کبھی چرچا تیرا

(۲) کافروں نے آپ پر طعن کیا کہ جو کچھ آپ بیان کر رہے ہیں یہ "اَضْغَاثُ اَحْلَام" یعنی "پریشاں خواب" ہیں، اس سے ان کی مراد بے ترتیب، بے ربط اور خلط ملط باتیں ہیں، اسی طرح انہوں نے پیغامِ مصطفیٰ ﷺ کو شاعرانہ تخیل قرار دیا۔ کبھی وہ رسالت مآب ﷺ کے گفتارِ مبارک کی شیرینی اور اثر آفرینی کو جادوگری سے تعبیر کرتے اور آپ پر "ساحر" ہونے کا طعن کرتے تاکہ لوگ آپ سے دور رہیں اور آپ کے حلقۂ اثر میں نہ آئیں، اسی طرح بعض اوقات وہ آپ کو "کاہن" کہتے اور کبھی کہتے کہ معاذ اللہ! یہ کلام شیطان نے کا اِلقا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ان طعنوں کے رد میں فرمایا:

(الف) "کافروں نے کہا: یہ (قرآن) پریشاں خواب ہیں، بلکہ انہوں نے خود اس کو گھڑ لیا ہے، بلکہ یہ شاعر ہیں، ان کو پہلے رسولوں کی طرح ہمارے سامنے کوئی نشانی لانی چاہیے، (الانبیاء:05)"۔ (ب): "اور ہم نے اِس (نبی) کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ اس کے شایانِ شان ہے، یہ کتاب تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے، (یٰسٓ:69)"۔ (ج): "بے شک یہ (قرآن) ضرور رسولِ کریم کا قول ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے، تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ ہی کسی کاہن کا قول ہے، تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو، (یہ) ربّ العالمین کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے، (الحاقہ:43-40)"۔ (د) "اور یہ شیطانِ مردود کا کلام نہیں ہے، پھر کدھر (بہکے) جا رہے ہو، یہ تو تمام جہان والوں کے لئے نصیحت ہے، تم میں سے ہر اس شخص کے لئے جو راست روی کا خواہاں ہو، (التکویر:29-25)"۔

(۳) کفار کبھی آپ ﷺ کو معاذ اللہ! مجنون کہتے، اللہ تعالیٰ نے اُن کے رد میں فرمایا: (الف): "ن، قلم کی قسم اور اس کی جو (فرشتے) لکھتے ہیں، (اے رسولِ مکرم!) آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں اور بے شک آپ کے لئے لامحدود اجر ہے اور بے شک آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں، پس عنقریب آپ دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون مجنون تھا، (القلم: 6 - 1)"۔ (ب): "اور وہ کہتے ہیں کہ یہ مجنون ہیں، حالانکہ یہ تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے، (القلم:52-51)"۔

(۴) کفار کا ایک اعتراض یہ تھا کہ دوسری الہامی کتابوں کی طرح قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے بیک وقت نازل کیوں نہ کیا؟۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ہم نے یونہی اسے بتدریج نازل کیا ہے، تاکہ اِس سے آپ کے دل کو مضبوط کریں اور ہم نے اسے وقفے وقفے سے تلاوت فرمایا ہے، (الفرقان:32)"۔ یعنی بتدریج قرآن کے نزول کی حکمت یہ ہے کہ ایک تو رسول اللہ ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رہے، آپ کے دل کو قرار و ثبات نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ کے نورانی کلام کی تجلیات و اَسرار سے آپ کے قلب کو تقویت حاصل ہوتی رہے۔

(۵) ایک صورتِ حال یہ رونما ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے کچھ وقفے کے لئے نزولِ وحی کا سلسلہ موقوف فرما دیا۔ اس سے مشرکین نے طعن کیا کہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ دیا ہے، یعنی نزولِ وحی کا موقوف ہونا معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا: "(اے حبیب!) آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ ہی وہ آپ سے ناراض ہوا ہے اور ہر آنے والا لمحہ آپ کے لیے گزشتہ سے بہتر ہے اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے، (الضحیٰ:5-3)"، امام احمد رضا قادری نے انہی آیات کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا:

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم خدا چاہتا ہے رضائے محمد

(۶) سابق انبیائے کرام کی شریعتوں میں غنیمت اور صدقات کے مال سے لوگوں کو استفادے کی اجازت نہیں تھی، بلکہ ان صدقات کو کھلے میدان میں رکھ دیا جاتا، اگر وہ صدقہ اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوتا، تو آسمان سے آگ آتی اور اسے جلا ڈالتی اور اگر وہ صدقہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے رد ہو جاتا، تو آسمانی آگ اسے نہ جلاتی۔ اس سے صدقے کے قبول یا رد ہونے کا لوگوں کو پتا چل جاتا اور جس کا صدقہ رد ہوتا، اس کی رسوائی ہوتی۔ قرآن نے آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی قربانی پیش کرنے، ایک کی رد ہونے اور دوسرے کی قبول ہونے کا ذکر سورۂ مائدہ کی آیات 27 تا 31 میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اسی بنا پر یہود مدینہ نے آپ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ بھی اس طرح کی قربانی پیش کریں، اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس اعتراض کے جواب میں فرمایا: ''جن لوگوں نے کہا: اللہ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم اس وقت تک کسی رسول پر ایمان نہ لائیں تاوقتیکہ وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی پیش کرے، جس کو آگ کھا جائے، (اے رسول!) کہہ دیجئے کہ مجھ سے پہلے تمہارے پاس کئی رسول بہت سی واضح نشانیاں لے کر آئے اور یہ نشانی بھی جس کا تم نے مطالبہ کیا ہے، اگر تم سچے ہو تو تم نے انہیں کیوں قتل کیا؟، (ال عمران:183)''۔

(۷) منافقین اور یہود نے تحویلِ قبلہ کے وقت اعتراض کیا کہ کبھی اِن کا رخ بیت المقدس کی جانب اور کبھی بیت اللہ کی جانب ہوتا ہے، ان کی بات کا کیا اعتبار؟۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا: ''عنقریب بیوقوف لوگ کہیں گے کہ اِن (مسلمانوں) کو اِن کے اُس قبلے سے جس پر وہ تھے، کس نے پھیر دیا، کہہ دیجیے: مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں، وہ جس کو چاہتا ہے، صراط مستقیم پر چلاتا ہے (البقرہ:142)''۔ بجائے اِس کے کہ رسول اللہ ﷺ اُن کے اعتراض کا خود جواب دیتے، سترہ ماہ تین دن تک بیت المقدس کی جانب نماز پڑھے جانے اور پھر تبدیلیِ قبلہ کا حکم آنے کا سبب بیان فرماتے، اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حکمت بیان فرمادی: ''(اور اے رسول!) جس قبلے پر آپ پہلے تھے، ہم نے اُسے اس لیے مقرر فرمایا تھا تاکہ جو لوگ رسول کی پیروی کرتے ہیں، ہم انہیں اُن لوگوں سے ممتاز کردیں جو الٹے پاؤں واپس (کفر کی جانب) پلٹ جاتے ہیں اور بے شک یہ (تحویلِ قبلہ) ضرور بہت بھاری ہے، سوائے اُن لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی ہے، (البقرہ:143)''۔ یعنی عارضی طور پر بیت المقدس کو قبلہ بنانے اور پھر تحویل قبلہ کے ذریعے حتمی اور قطعی طور پر بیت اللہ کو قبلہ قرار دے کر مخلص مومنوں کو منافقوں اور یہود سے ممتاز کرنا مقصود تھا۔ کیونکہ مومن کی نظر میں حقانیت کا معیار رسول اللہ ﷺ کی غیر مشروط اطاعت ہے، حق کی معرفت کا مدار عقل پر نہیں بلکہ وحیِ ربانی پر ہوتا ہے اور مُہبطِ وحیِ ربانی ذات پاک مصطفیٰ ﷺ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بے شک یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے، جس کو جبریلِ امین لے کر آپ کے قلبِ (اطہر) پر نازل ہوئے تاکہ آپ (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں، (یہ) واضح عربی زبان میں ہے، (الشعرا195-192)''۔ الغرض منافق یہ اعتراض کریں گے کہ جو شخص آئے روز قبلہ تبدیل کرے، اس کی بات کا کیا اعتبار ہے، مگر مومنِ کامل کسی تردُّد کے بغیر سراپا تسلیم و رضا بن جائے گا اور اطاعتِ مصطفیٰ کرے گا، کیونکہ معرفتِ حق کا منبع رسول کریم کی ذات گرامی ہے۔

(روزنامہ دنیا، 27 نومبر 2017ء)